

شیخ احمد سرہندیؒ کے تجدیدی کارنامے علماء عصر جدید کی نظر میں

مولانا اشہد رفیق ندوی

شیخ احمد بن عبد الاحد زین العابدین فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ (۱۷۷۱-۱۸۶۲ء) مجدد الف ثانی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ یہ دراصل ان کا خطاب ہے جو اتنا مشہور ہو گیا کہ اصل نام تاریخ و تذکرہ کی کتابوں میں بہت ڈھونڈنے کے بعد ملتا ہے۔

حضرت شیخ سرہندیؒ کو یہ خطاب عہد اکبری و عالم گیری میں ان کے انقلابی و تجدیدی کارناموں کی وجہ سے حاصل ہوا۔ اس خطاب کے پس منظر میں سنن ابی داؤد کی ایک مشہور روایت ہے جس میں رسول اکرم ﷺ نے یہ پیشین گوئی فرمائی ہے کہ ”اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر سو سال کے سرے پر ایسے بندے پیدا کرے گا جو اس کے لیے اس دین کو نیا اور تازہ کرتے رہیں گے“ سنت الہی کے مطابق ہر زمانہ اور صدی میں مصلحین و مجددین پیدا ہوتے رہے اور دین کو نیا اور تازہ کرتے رہے ہیں، مگر اسلام کی تقریباً چودہ سو سال کی تاریخ میں یہ خطاب صرف حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کو حاصل ہوا اور خطاب کے لاحقہ الف ثانی کا یہ مطلب سمجھا جاتا ہے کہ یہ پورے دوسرے ہزار یہ کے لیے مجدد بنائے گئے۔

شیخ سرہندیؒ کی ذات اور کارنامے اتنے عظیم ہیں کہ ہر دور کے علماء و محققین انہیں موضوع بحث بناتے رہے ہیں۔ عصر جدید کے متعدد جلیل القدر علماء کرام نے بھی ان کے افکار و خیالات اور تجدیدی کارناموں کا گہرا مطالعہ کیا اور انہیں زبردست خراج

شیخ احمد سرہندی کے تجدیدی کارنامے

عقیدت پیش کیا ہے۔ ان میں مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، علامہ اقبالؒ، مولانا منظور نعمانیؒ، مولانا محمد عبدالشکور فاروقیؒ، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری خصوصاً قابل ذکر ہیں۔ پیش نظر مقالہ میں انہی علماء و محققین کی تحقیقات و نگارشات کے حوالہ سے حضرت شیخ سرہندیؒ کے مقام و مرتبہ کا تعین اور اس مقام بلند تک پہنچنے کے اسباب معلوم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

معاصر محقق ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری نے حضرت شیخ کے ایک مکتوب کے حوالہ سے اس حقیقت کو آشکار کیا ہے کہ ”حضرت خود کو ایک ولی سے بڑھ کر ایک مجدد سمجھتے تھے جو الف ثانی میں کار تجدید کے لیے اٹھائے گئے ہیں۔“ ۲

مولانا محمد عبدالشکور فاروقیؒ کو اس دعویٰ پر مکمل شرح صدر ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ”حضرت کا مجدد الف ہونا بھی ایک بڑی چیز ہے، آپ سے پہلے صدی کے مجدد ہوا کرتے تھے، الف کا مجدد کوئی نہیں ہوا۔ الف ثانی کا آغاز ہی نہ ہوا تھا اور الف اول میں خود ذات اقدس و اطہر سید البشر ﷺ کی موجودگی تھی۔ آپ سے پہلے جس قدر مجدد صدیوں کے گزرے ہیں گوئی مجدد دین کے تمام شعبوں کا مجدد نہیں ہوا، بلکہ خاص شعبوں کے مجدد ہوتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ایک وقت میں متعدد مجدد نظر آتے ہیں۔ کوئی علم حدیث کا، کوئی فقہ کا، پھر اس میں بھی کوئی فقہ حنفی کا مجدد ہے، کوئی فقہ شافعی کا، کوئی علم کلام کا مجدد ہے اور کوئی سلوک و احسان کا، لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کے لیے مخصوص رکھی کہ آپ دین کے تمام شعبوں کے مجدد ہیں، جس کا ماحصل یہ ہے کہ آپ سے پہلے کے مجدد دین کو سید الانبیاء ﷺ کی نیابت خاص خاص چیزوں میں حاصل تھی اور آپ کو تمام چیزوں میں نیابت تامہ حاصل ہے۔ آپ سے پہلے کے مجددوں کی خدمات کا اثر صرف ایک صدی کے لیے ہوتا تھا اور آپ کی مجددیت ایک ہزار سال کے لیے ہے۔“ ۳

مولانا ابوالکلام آزادؒ بھی شیخ سے بے حد متاثر ہیں۔ وہ ان کے تجدیدی کارناموں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”شہنشاہ اکبر کے عہد کے

اختتام اور عہد جہاں گیری کے اوائل میں کیا ہندوستان علماء و مشائخ حق سے بالکل خالی ہو گیا تھا! کیسے کیسے اکابر موجود تھے، لیکن مفسد وقت کی اصلاح و تجدید کا معاملہ کسی سے بھی بن نہ آیا، صرف مجدد الف ثانی شیخ سرہندیؒ کا وجود گرامی ہی تن تھا اس کا روبرو کا کفیل ہوا۔“ ۳

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس سے بھی زیادہ بلند آہنگ میں ان کے تجدیدی کارناموں کو سراہا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں: ”ہندوستان کے مختلف گوشوں میں اس وقت بھی بہت سے حق پرست علماء اور سچے صوفیاء موجود تھے، مگر ان کے درمیان وہ ایک اکبرال شخص تھا جو وقت کے ان فتنوں کی اصلاح اور شریعت محمدیؐ کی حمایت کے لیے اٹھا اور جس نے شاہی قوت کے مقابلہ میں یکہ و تنہا احیاء دین کی جدوجہد کی۔“ ۵

مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے نسبتاً محتاط الفاظ میں یہی باتیں اس طرح کہی ہیں: ”امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ سے دین کی تجدید و حفاظت اور احیاء شریعت کا جو عظیم کام ہمارے اس ملک میں لیا وہ بھی اسلام کی پوری تاریخ میں ایک خاص امتیازی شان رکھتا ہے اور اسی وجہ سے ان کا لقب مجدد الف ثانی ایسا مشہور ہو گیا ہے کہ بہت سے لوگ ان کا نام بھی نہیں جانتے، صرف مجدد الف ثانی کے معروف لقب ہی سے ان کو پہچانتے ہیں۔“ ۶

کارِ تجدید کیا ہے؟

حضرت شیخ سرہندیؒ کے تجدیدی کارناموں کی تفصیلات بے شمار مقامات پر ملتی ہیں۔ مگر خود کارِ تجدید کیا ہے اور تجدیدی کارناموں کے پرکھنے کا معیار کیا ہے؟ اس موضوع پر ماخذ بالعموم خاموش ہیں۔ مولانا منظور نعمانیؒ نے اس سلسلے میں مختصراً اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے بہت شرح و بسط کے ساتھ اظہارِ خیال کیا ہے۔ مولانا نے اپنی کتاب ”تجدید و احیاء دین“ میں خاص طور سے اسی عقدہ کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ کارِ تجدید کی تعریف وہ اس طرح بیان کرتے ہیں: ”در اصل تجدید کا کام یہ ہے کہ اسلام

شیخ احمد سہندئی کے تجدیدی کارنامے

کو جاہلیت کے تمام اجزاء سے چھانٹ کر الگ کیا جائے، کسی نہ کسی حد تک اس کو اپنی خالص صورت میں پھر سے فروغ دینے کی کوشش کی جائے۔“

تجدیدی کارناموں اور مجتہد کے معیار کو پرکھنے کے لیے انھوں نے کچھ اصول اور میدان کار متعین کیے ہیں اور انھیں بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ یہ ہیں:

۱۔ اپنے ماحول کی تشخیص: یعنی حالات کا پورا جائزہ لے کر یہ سمجھنا کہ جاہلیت کہاں کہاں کس حد تک سرایت کر گئی ہے؟ کن کن راستوں سے آئی ہے؟ اس کی جڑیں کہاں کہاں اور کتنی پھیلی ہوئی ہیں؟ اور اسلام اس وقت ٹھیک کس حالت میں ہے؟
۲۔ اصلاح کی تجویزیں: یعنی یہ تعین کرنا کہ اس وقت کہاں ضرب لگائی جائے کہ جاہلیت کی گرفت ٹوٹے اور اسلام کو پھر اجتماعی زندگی پر گرفت کا موقع ملے؟
۳۔ خود اپنے حدود کا تعین: یعنی اپنے کو تول کر صحیح اندازہ لگانا کہ میں کتنی قوت رکھتا ہوں اور کس راستے سے اصلاح کرنے پر قادر ہوں؟

۴۔ ذہنی انقلاب کی کوشش: یعنی لوگوں کے خیالات کو بدلنا، عقائد و افکار اور اخلاقی نقطہ نظر کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنا، نظام تعلیم و تربیت کی اصلاح اور علوم اسلامی کا احیاء کرنا اور فی الجملہ اسلامی ذہنیت کو از سر نو تازہ کر دینا۔
۵۔ علمی اصلاح کی کوشش: یعنی جاہلی رسوم کو مٹانا، اخلاق کا تزکیہ کرنا، اجماع شریعت کے جوش سے پھر لوگوں کو سرشار کر دینا اور ایسے افراد تیار کرنا جو اسلامی طرز کے لیڈر بن سکیں۔

۶۔ اجتہاد فی الدین: یعنی دین کے اصول کلیہ کو سمجھنا، اپنے وقت کے تمدنی حالات اور ارتقاء تمدن کی سمت کا اسلامی نقطہ نظر سے صحیح اندازہ لگانا اور یہ تعین کرنا کہ اصول شرع کے ماتحت تمدن کے پرانے متواتر نقشے میں کس طرح رد و بدل کیا جائے جس سے شریعت کی روح برقرار ہے۔ اس کے مقاصد پورے ہوں اور تمدن کے صحیح ارتقاء میں اسلام دنیا کی امامت کر سکے؟

۷۔ دفاعی جد و جہد: یعنی اسلام کو مٹانے اور دہانے والی سیاسی طاقت کا

مقابلہ کرنا اور اس کے زور کو توڑ کر اسلام کے ابھرنے کا راستہ پیدا کرنا۔

۸۔ احیاء نظام اسلامی: یعنی جاہلیت کے ہاتھ سے اقتدار کی کنجی چھین لینا اور از سر نو حکومت کو عملاً اس نظام پر قائم کر دینا جسے صاحب شریعت علیہ السلام نے خلافت علی منہاج النبوة کے نام سے موسوم کیا ہے۔

۹۔ عالم گیر انقلاب کی کوشش: یعنی صرف ایک ملک یا ان ممالک میں جہاں مسلمان پہلے سے موجود ہوں، اسلامی نظام کے قیام پر اکتفا نہ کرنا، بلکہ ایک ایسی طاقت اور عالمی تحریک برپا کرنا جس سے اسلام کی اصلاحی و انقلابی دعوت عام انسانوں میں پھیل جائے، وہی تمام دنیا کی غالب تہذیب بنے، ساری دنیا کے نظام تمدن میں اسلامی طرز کا انقلاب برپا ہو اور عالم انسانی کی اخلاقی، فکری اور سیاسی امامت و ریاست اسلام کے ہاتھ میں آجائے۔

ان شعبوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی تین مدت تو ایسی ہیں جو ہر اس شخص کے لیے ناگزیر ہیں جو تجدید کی خدمت انجام دے۔ لیکن باقی چھ مدتیں ایسی ہیں جن کا جامع ہونا مجدد کے لیے شرط نہیں ہے۔ بلکہ جس نے ایک، دو، تین یا چار شعبوں میں کوئی نمایاں کارنامہ انجام دیا وہ بھی مجدد قرار دیا جاسکتا ہے۔ البتہ اس قسم کا مجدد جزوی ہوگا، کامل مجدد نہ ہوگا۔ کامل مجدد صرف وہ شخص ہو سکتا ہے جو ان تمام شعبوں میں پورا کام انجام دے کر وراثت کا حق ادا کرے۔ ۵

شیخ سرہندی کے تجدیدی کارنامے

ان علماء و محققین نے شیخ کی خدمات جلیلہ کو صرف خراج عقیدت ہی نہیں پیش کیا ہے، بلکہ ان کا گہرائی سے تجزیہ بھی کیا ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے شیخ کی تجدیدی خدمات کو تین خانوں میں تقسیم کیا ہے:

”۱۔ انھوں نے ہندوستان میں حکومت کو بالکل ہی کفر کی گود میں جانے سے روکا اور اس فتنہ عظیم کے سیلاب کا منہ پھیرا جو اب سے تین چار سو برس پہلے ہی اسلام کا

نام و نشان مٹا دیتا۔

۲۔ تصوف کے چشمہ صافی کو ان آلائشوں سے، جو فلسفیانہ اور راہبانہ گم راہیوں کے سبب اس میں سرایت کر گئی تھی، پاک کر کے اسلام کا اصلی اور صحیح تصوف پیش کیا۔

۳۔ ان تمام رسومِ جاہلیت کی شدید مخالفت کی جو اس وقت عوام میں پھیلی ہوئی تھیں اور سلسلہٴ بیعت و ارشاد کے ذریعہ سے اتباعِ شریعت کی ایک ایسی تحریک پھیلانی جس کے ہزار ہا تربیت یافتہ کارکنوں نے نہ صرف ہندوستان کے مختلف گوشوں میں، بلکہ وسط ایشیا تک پہنچ کر عوام کے اخلاق و عقائد کی اصلاح کی کوشش کی۔ ۹۔

مولانا محمد منظور نعمانی نے بھی شیخ سرہندی کے تجدیدی جہاد کے تین میدان متعین کیے ہیں۔ لکھتے ہیں: ”حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے سب سے پہلے ان فتنوں کے سرچشموں کو دریافت کیا تو دیکھا کہ اصولی طور پر صرف تین راستے ہیں جن سے گم راہیوں اور تباہیوں کے یہ سیلاب آرہے ہیں۔ ایک اربابِ حکومت، جن کو حالات و اتفاقات کی ایک خالص رفتار اور سیاسی مفاد کے ایک غلط تصور اور غلط توقعات نے ”اسلامیات“ سے بے گانہ اور لامذہبیت بلکہ ہندویت سے آشنا بنا دیا۔ دوسرے وہ علماء سوء جن کا سطحِ نظر صرف اچھی طرح دنیا کمانا، اربابِ اقتدار اور امراء وقت کی خوش نودی اور رضا جوئی میں ساعی رہنا اور ان کی خاطر ہر منکر کو معروف بنادینا اور اپنی خواہشاتِ نفس کی تکمیل کے لیے اسلام میں گنجائش پیدا کرنا ہے۔ تیسرے وہ گم راہ اور بر خود غلط صوفی، جو شریعت کو ظاہر پرستوں کا کھلونا سمجھتے ہیں اور طریقت و حقیقت کے مقدس ناموں سے انھوں نے اپنی الگ دینا بنا رکھی ہے۔ یہ تھے فتنوں کے تین چشمے۔ حضرت مجددؒ نے بس انہی کو قابو میں لانے اور ان کا رخ صحیح کرنے کے لیے اپنی پوری حکمت و قوت صرف فرمادی۔“ ۱۰۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اس بحث کو ایک نئی جہت دی ہے۔ انھوں نے اپنے پیش رو علماء و محققین کی تحقیقات کا گہرائی سے تجزیہ کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ حضرت کے تجدید کارناموں کا تجزیہ کرنے والوں نے ان کے اصل تجدیدی کارنامے کی

تعیین میں مختلف رائیں پیش کی ہیں۔ مختصراً انھیں تین خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”ایک گروہ کہتا ہے کہ وہ اس لیے مجدد الف ثانی کہلانے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ہندوستان کو اسلام کے لیے دوبارہ بازیاب کیا اور اس کو برہمنیت یا وحدتِ ادیان کی گود میں جانے سے بچا کر دوبارہ محمد عربی علیہ السلام اور دینِ حجازی کی تولیت و نگرانی میں دیا۔

دوسرے گروہ کے نزدیک ان کا اصلی تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے طریقت پر شریعت کی فوقیت و بالادستی کو ایسے پر اعتماد، مبصرانہ و تجربہ کارانہ اور اس قوت و وضاحت کے ساتھ بیان کیا جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا اور اس سے طریقت کا شریعت کے تابع بلکہ خادم ہونا روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا۔

تیسرا گروہ وہ ہے جو ان کا اصل تجدیدی کارنامہ یہ سمجھتا ہے کہ انھوں نے وحدۃ الوجود کے عقیدہ و نظریہ پر وہ کاری ضرب لگائی جو اس سے پہلے کسی نے نہیں لگائی تھی اور پھر اس کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا۔“ ۱۱

ان گروہوں کا تجزیہ کرنے کے بعد مولانا ندویؒ نے ان کے تمام تجدیدی کارناموں کا ایک مرکزی نکتہ تلاش کیا ہے اور اسی کے اندر تمام کارناموں کو سمودیا ہے۔ لکھتے ہیں:

”حقیقت میں ان کا اصل کارنامہ جس کے جلو میں ان کے سارے تجدیدی کارنامے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں اور ان کی تجدید کا اصل سرچشمہ جس سے ان کے تمام انقلابی و اصلاحی کاموں کے چشمے پھوٹتے ہیں اور دریا بن کر سارے عالم اسلام میں رواں دواں ہو جاتے ہیں، وہ نبوتِ محمدی اور اس کی ابدیت و ضرورت پر امت کا اعتماد بحال کرنے اور مستحکم کرنے کا وہ تجدیدی و انقلابی کارنامہ ہے جو ان سے پہلے اس تفصیل و وضاحت و قوت کے ساتھ ہمارے علم میں کسی مجدد نے انجام نہیں دیا۔

اس تجدیدی اقدام سے ان تمام فتنوں کا سدِّ باب ہوتا ہے جو اس وقت عالم

شیخ احمد سرہندی کے تجدیدی کارنامے

اسلام میں منہ پھیلانے ہوئے اسلام کے شجرہ طیبہ اور اس کے پورے اعتقادی، فکری اور روحانی نظام کو نگل لینے کے لیے تیار تھے۔ ان میں ایران کی وہ نقطوی تحریک اور اس کے پیرو بھی شامل ہیں جنہوں نے نبوت محمدی اور اس کے بقا و دوام کے خلاف کھلے طریقہ پر علم بغاوت بلند کیا تھا۔ ان فتنوں میں اکبر کا دسین الہی اور آئین جدید بھی شامل ہے جو ہندوستان میں نبوت و شریعت محمدی کی جگہ لینے اور اس کا بدل بننے کا مدعی تھا۔ اس سلسلے میں وحدۃ الوجود کا فلسفہ بھی آتا ہے جو اپنے داعیوں اور علم برداروں کے بقول کشفی حقائق پر مبنی تھا۔ اسی ضمن میں فرقہ امامیہ کا گروہ بھی آتا ہے جس کے اساسی عقائد میں امامت کا عقیدہ بھی ہے۔

اسی طرح انہوں نے نبوت محمدی پر ایمان و اعتماد کی تجدید کی شاہ کلید سے وہ سارے بھاری پیچیدہ قفل کھول دیے جو یونانی اور ایرانی فلسفہ اور مصری و ہندوستانی اشراقیت نے ایجاد کیے تھے۔ ایک تیر سے ان سب فتنوں کا شکار کیا جن کا مسلمانوں کا ذہن طبقہ نشانہ بنا ہوا تھا۔“ ۱۲

طریقہ تجدید

ہر مجدد نے اپنے عہد کے حالات اور ضروریات کے لحاظ سے اپنا الگ طریقہ کار متعین کیا اور کارہائے تجدید و انقلاب انجام دیے۔ حضرت شیخ سرہندی نے بادشاہ وقت، امراء پر جلال، بڑے بڑے علماء و صوفیا کے ذہن و فکر کا رخ موڑ دیا اور اس کے لیے نہ کوئی تنظیم بنائی، نہ جہاد کا اعلان کیا، نہ ہی کوئی عوامی مہم چلائی، بلکہ نہایت خاموشی کے ساتھ ایمان و اخلاص کے بل بوتے پر مومنانہ حکمت و فراست سے مختلف محاذوں پر انقلابی تدابیر کرتے رہے اور مختصر عرصہ میں کایا پلٹ دی۔

حضرت مجددؑ کی جد و جہد تین مختلف محاذوں پر تین مختلف طریقوں سے جاری تھی۔

۱۔ خطوط نویسی ۲۔ تصنیف و تالیف ۳۔ حلقہ ارشاد و تربیت

۱۔ خطوط نویسی

اس عظیم انقلابی مہم کو سر کرنے کے لیے حضرت مجددؑ نے جو سب سے اہم

وسیلہ اختیار کیا وہ خطوط نویسی ہے۔ انھوں نے امراء و اراکین سلطنت، علما و صوفیا اور اپنے ارادت مند ان کو انفرادی خطوط کے ذریعہ توجہ دلائی اور بقول مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ”صفیرِ قرطاس پر اپنے دل کے ٹکڑے اتار کر رکھ دیے“ یہ خطوط اپنے درد و اخلاص، جوش و تاثیر، زورِ قلم اور قوتِ انشاء کے لحاظ سے ان خطوط و مکاتیب کے ذخیرے میں جو دنیا کی کسی زبان میں اور کسی دینی و اصلاحی تحریک کی تاریخ میں سپرد قلم کیے گئے ہیں، خاص امتیاز رکھتے ہیں اور سیکڑوں برس گزر جانے کے بعد آج بھی ان میں اثر و دل آویزی پائی جاتی ہے۔ حقیقت میں یہی خطوط مجددِ صاحب کی دعوت و تبلیغ کے قاصد، ان کے زخمی دل کے صحیح ترجمان، ان کے قطراتِ اشک اور لختِ ہائے جگر ہیں اور دسویں صدی میں ہندوستان کی عظیم سلطنتِ مغلیہ میں جو عظیم انقلاب رونما ہوا، اس میں ان کا بنیادی حصہ اور سب سے بڑا دخل ہے۔“ ۱۳۔

ان بابرکت خطوط نے بہت کم عرصہ میں بڑے بڑے امراء اور صوفیا کے قلوب کو مسخر کر لیا جو شاید ہزاروں تلواریں ٹوٹنے کے بعد بھی رام نہ ہوتے۔

۲۔ علمی و تحقیقی رسائل

حضرت شیخ سرہندیؒ نے مختلف اہم موضوعات پر کتابیں اور رسالے بھی تصنیف فرمائے جو ان کی اس تجدیدی مہم میں نسخہٴ کیمیا ثابت ہوئے۔ ان کی یہ تحریریں بے حد مقبول ہوئیں اور ان کی سیکڑوں نقلیں تیار کی گئیں۔ پریس آجانے کے بعد ان کتابوں کے متعدد زبانوں میں ترجمے ہوئے اور شروح و حواشی لکھے گئے۔

ان کتابوں اور رسائل نے بھی ان کی انقلابی کاوشوں میں چار چاند لگائے، خاص طور سے رسالہ اثباتِ الموعودۃ ۱۴، رسالہ دررِ روضۃ فی روافض ۱۵ اور المبداء و المعاد ۱۶ نے شیخ کی آراء کو مدلل کرنے اور مخاطب کو قائل کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ ۱۷۔

۳۔ شاگردان و عقیدت مند ان اور خلفاء کبار

انفرادی خطوط و رسائل ایک طرف بڑے بڑے سلاطین، امراء اور علماء کے

شیخ احمد سرہندی کے تجدیدی کارنامے

قلوب فتح کرتے رہے تو دوسری طرف شاگردان و ارادت مند ان بھی جوق در جوق آپ کے حلقہ میں شامل ہو کر اس کارِ خیر کو آگے بڑھانا چاہتے تھے۔ چنانچہ ان کی اس خاموش جدوجہد میں دنیا کے مختلف علاقوں کے ہزاروں افراد نے آپ سے تربیت لی اور ان کے ذریعے اس مشن کو آگے بڑھایا۔ ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے بقول ”ان کے ناموں اور کارناموں کا استقصاء دشوار ہی نہیں، تقریباً ناممکن ہے۔ ان کی تعداد کئی ہزار بتائی جاتی ہے اور وہ تمام دنیا میں منتشر اور سرگرم عمل رہے۔“ ۱۸ تاہم اس بات پر تمام مورخین و محققین متفق ہیں کہ حضرت شیخ سرہندیؒ کے کارنامے ان ہی خلفاء و اصحاب کی کاوشوں کی وجہ سے ساری دنیا میں پھیلے اور دیر پا ثابت ہو سکے۔

کارِ تجدید کی تعریف اور حضرت شیخ سرہندی کے تجدیدی کارناموں کا تذکرہ اوپر تفصیل سے آیا ہے۔ اگر مولانا مودودیؒ کے مقرر کردہ معیار کو کسوٹی مان لیا جائے اور اس پر حضرت شیخ احمد سرہندی کے ان تجدیدی و انقلابی کارناموں کو پرکھا جائے تو ان کی خدمات کی تمام تر عظمتوں کے اعتراف کے باوجود ان کے سلسلے میں علماء کا یہ خیال مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجددِ کامل تھے، انھیں آنحضور ﷺ کی نیابتِ تامہ حاصل تھی، وہ پورے دوسرے ہزار یہ کے لیے مجدد بنائے گئے تھے۔ الحمد للہ اسلام کی روشن تاریخ کے ہر دور میں ایسی متعدد جلیل القدر ہستیاں وجود میں آتی رہی ہیں جنہوں نے اپنے دور کے حالات و ضروریات کے لحاظ سے اس سے بھی زیادہ عظیم کارنامے انجام دیے ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ، امام غزالیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ وغیرہ نے بھی بے شمار انقلابی و تجدیدی کارنامے انجام دیے، مگر انھیں مجددِ کامل تو دور کی بات، مجدد کا بھی خطاب حاصل نہ ہو سکا۔ اس طرح کے مبالغہ آمیز خیالات سے یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ دعوت و تبلیغ اور کارِ تجدید کے لیے جو کاوشیں حضرت شیخ سرہندیؒ کے ذریعہ ہوئیں اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئیں اور ان کے اثرات ایک ہزار برس تک رہیں گے، اس لیے مزید کدو

کاوش کی ضرورت نہیں۔ حضرت شیخ سرہندیؒ کی خدمات ہی عالم اسلام پر بیسویں صدی ہجری تک اثر پذیر ہوں گی۔

اسی طرح مولانا فاروقیؒ، مولانا آزادؒ، علامہ اقبالؒ اور مولانا مودودیؒ وغیرہ کے یہ بیانات بھی تحقیق طلب ہیں کہ ”ان کے تمام معاصر علماء و صوفیاء ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے ۱۹ اور حضرت شیخ سرہندیؒ نے یکہ و تنہا الحاد اکبری کا قلع قمع کیا، وہ ہند میں سرمایہ ملت کے اکیلے نگہبان تھے“۔ ان کے معاصرین میں متعدد جلیل القدر علماء و محدثین موجود تھے جو انہی کی طرح اصلاح و تجدید کے مشن میں لگے ہوئے تھے اور ان کے بعد بھی متعدد جلیل القدر ہمتیاں وجود میں آئیں۔ اس طرح کے بیانات سے ممدوح کی اہمیت تو کچھ ضرور بڑھ جاتی ہے، مگر ساتھ ہی معاصرین کے کارناموں کی تنقیص لازم آتی ہے۔ اسی لیے شیخ محمد اکرام نے ایسے عقیدت مندوں کو سخت تنبیہ کی ہے اور معاصرین کے کارناموں کو اجاگر کیا ہے اور ان کی قدر پہچاننے کی تلقین کی ہے۔ ۲۰

حواشی و مراجع

- ۱۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ان الله يبعث لهذه الأمة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها۔ سنن أبی داؤد، کتاب الملاحم، باب ما یدکر فی قرن المائۃ محمد عبدالحق انصاری، تصوف اور شریعت، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۲۰۰۱ء، ص ۳۹
- ۲۔ محمد منظور نعمانی، تذکرہ مجدد الف ثانی، مقالہ مولانا محمد عبد الشکور فاروقی بعنوان ”امام ربانی“، ناشر الفرقان بک ڈپو لکھنؤ، طبع ہشتم، ۱۹۹۸ء، ص ۲۸۲
- ۳۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ، تذکرہ (مرتبہ فضل الدین احمد مرزا) انارکلی کتابیات، لاہور، بدون تاریخ، ص ۲۶۲
- ۴۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تجدید و احیاء دین، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۲۰۰۲ء، ص ۸۱

- ۶ تذکرہ مجدد الف ثانی، ص ۲۳
- ۷ تجدید و احیاء دین، ص ۴۳
- ۸ حوالہ مذکور، ص ۴۵-۴۶
- ۹ حوالہ مذکور، ص ۸۱-۸۲
- ۱۰ تذکرہ مجدد الف ثانی، ص ۱۳۳
- ۱۱ سید ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ،
بار اول ۱۹۸۰ء، ۴/۱۸۷-۱۸۸
- ۱۲ حوالہ مذکور، ۴/۱۹۰-۱۹۲ (ملخصاً)
- ۱۳ حوالہ مذکور، ۴/۳۰۳
- ۱۴ شیخ احمد سرہندی، اثبات النبوة، اردو ترجمہ غلام مصطفیٰ خاں، ادارہ مجددیہ کراچی، ۱۹۶۳ء
- ۱۵ شیخ احمد سرہندی، رسالہ در ردّ روافض، ادارہ سیدیہ مجددیہ، لاہور، ۱۹۶۴ء
- ۱۶ شیخ احمد سرہندی، المبدأ والمعاد، مطبع انصاری، دہلی، ۱۸۸۹ء
- ۱۷ شیخ سرہندی کی تصانیف، خطوط اور ان کے بارے میں مختلف زبانوں میں جو کچھ
لکھا گیا ہے اس کی تفصیلات جاننے کے لیے رجوع کیجیے:

A selected Bibliography on Shaikh Ahmad Sirhindi, Kabir
Ahamad Khan, Muslim world book Review, U.K. Vol. 12, No,
2. winter 1992, pp65-70

۱۸ تاریخ دعوت و عزیمت، ۴/۳۵۵

۱۹ تجدید و احیاء دین، ص ۴۶

۲۰ رود کوثر، ص ۲۳۸